محمد سید علی
پی ایچ ڈی اُردو ریسرچ اسکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر عابد خورشید
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور
شازمہ زہرا
ایلیمنٹری سکول ٹیچر، گورنمنٹ گرلز ہائی سکول، میر ہزار خان، جتوئی

انتظار حسین کی یادداشتوں کا تنقیدی مطالعہ

Muhammad Said Ali
Ph,D Urdu Research Scholar, Punjab University, Lahore
Dr. Abid Khurshid
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Lahore, Lahore
Shazma Zahra
Elementary School Teacher, Govt. Girls Haigh School, Meer Hazar Khan, Jatoi.

A Critical Study of Intizar Hussain's Memoirs

Intizar Hussain, has expressed his memories in his novels, short stories, columns, interviews, and other editorials. However, he has carefully compiled his notes into two books. The first book, "Chiraghon Ka Dhuan", was published in 1998. It narrates the fifty years of his journalistic life in Pakistan. While, the second book titled "Justaju Kya Hai?" was published in 2011. In this book, Intizar Hussain remembered his childhood, youth, old age memories, and literary life. This article compares and critically analyzes the common and diverse memories present in both of Intizar Hussain's books.

Keywords: *Memoirs, Nostalgia, Narratives, Journalistic Life, Coffee House, Tea House, Pakistan Writers Guild, Thinkers Forum, Academy of Letters.*

اردو ادب کے دو ادیب ایسے ہیں کہ جڑیں جن کا اہم مسئلہ رہی ہیں۔ ان کی تحریریں اپنی جڑوں کی کھوج میں نظر آتی ہیں۔ ان میں پہلی اُردو کی بڑی ناول نگار قرۃ العین حیدر ہیں۔ جب کہ دوسرے اُردو کے بڑے افسانہ نگار انتظار حسین ہیں۔ بچھڑے ہوؤں کی یاد، کھوئے ہوؤں کی جستجو، جڑوں کی تلاش اور اپنوں سے جدائی کا کرب انتظار

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

حسین کے اندر ایک ناسور کی صورت بیٹھ گیا۔ ماہرین نے اس بیماری کو ناسٹلیجا یعنی یادوں کا عذاب کہا ہے۔ یادیں انتظار حسین کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یادوں کے اس عذاب کو ان کے افسانوں، ناولوں اور کالم میں بھی واضح دیکھا جاسکتا ہے۔

انتظار حسین کی دو یادداشتیں منظرِ عام پر آئیں۔ ایک ۱۹۹۸ء میں "چراغوں کا دھواں" کے نام سے آئی۔ جس میں انتظار حسین نے لاہور میں گزری اپنی پچاس سالہ زندگی کی یادوں کا بیان کیا ہے۔ اس کے کل ۲۳ ابواب ہیں۔ ۳۶۱ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں انتظار حسین نے مہاجرین کے لیے چلائی گئی سپیشل ٹرین پر دلی سے پاکستان کے شہر لاہور آمد، ابتدائی مشکلات، مختلف اخبارات میں ملازمت کے دنوں، کافی ہاؤس، ٹی ہاؤس، میٹرو میں دوستوں ادیبوں کی محافل کو یاد کیا ہے۔ اس کتاب میں رت جگے بھی ہیں اور شادی غمی کے احوال بھی۔ ترقی پسند تحریک کے نشیب و فراز بھی ہیں اور حلقہ اربابِ ذوق کی محافل و اندرونی جھگڑوں کا حال بھی۔ علمی و ادبی گفتگو بھی ہے اور فلسفیانہ بحثیں بھی۔ پاکستان کی سیاسی و ادبی تاریخ بھی ہے اور وطن عزیز پر آمروں کی طرف سے شب خون مارے جانے کی داستان بھی۔ علاوہ ازیں ادیبوں کو خاموش کرنے کے لیے ان حکمرانوں کے "پاکستان رائٹرز گلڈ"، "تھنکرز فورم" اور "اکیڈمی آف لیٹرز" کے نام پر مختلف حربوں کی کہانی بھی ہے۔ پاکستان کے دولخت ہونے اور بنگلہ دیش بن جانے کی المناک تصویر بھی ہے اور ادب کا عروج و زوال، حکمرانوں کی طرف سے استحصال بھی۔ یہ کتاب کس وقت لکھی گئی اس کے بارے میں انتظار حسین کہتے ہیں:

> "اب پاکستان بنے اور ہندوستان کو آزاد ہوئے پچاس برس ہو رہے تھے۔ دونوں طرف اپنی اپنی گولڈن جوبلی منانے کی تیاریاں تھیں۔ تاریخ کی اس گھڑی کو، ان روزوں کو جن پر پچاس برسوں کی گرد پڑ چکی تھی پھر سے کریدا جا رہا تھا۔"
>
> (چراغوں کا دھواں، ص ۸)

اسی طرح "چراغوں کا دھواں" کے بعد انتظار حسین کی یادوں کی دوسری کتاب "جستجو کیا ہے؟" کے عنوان سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کو سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ "چراغوں کا دھواں" تقسیمِ ہند ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک کی پچاس سالہ یادوں پر مشتمل ہے اور یہ مکمل جگ بیتی ہے جبکہ "جستجو کیا ہے؟" میں انتظار حسین نے اپنے بچپن سے لے کر ۲۰۱۰ء تک تقریباً ۸۰ سال کے تجربات اور داستانِ حیات درج کی ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"چراغوں کا دھواں" میں انتظار حسین جانتا ہے کہ وہ یادیں لکھ رہا ہے۔ اس لیے بلا جھجک تسلسل سے اپنے مخصوص دائرے میں یادداشت کے مطابق دوستوں اور ادبی محافل کا ۵۰ سالہ تذکرہ سناتا جاتا ہے جبکہ "جستجو کیا ہے؟" میں انتظار کو اپنی مکمل حالاتِ حیات، بچپن سے اب تک کی کہانی سنانی ہے۔ اس لیے اس میں چاہ کر بھی تسلسل نہیں پیدا کر پاتا اور بات کرتے کرتے شعور کی رو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف لے جاتی ہے۔ یعنی "چراغوں کا دھواں" ایک مخصوص دائرے میں اور بندھے ٹکے حالات کا بیان ہے جو مسلسل چلتا رہتا ہے۔ جبکہ "جستجو کیا ہے؟" کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں تسلسل قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کا سارا بیان بکھرا ہوا ہے۔ کہیں کہیں انتظار حسین شعوری کوشش سے ترتیب واقعات کی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن اس میں مکمل طور پر کامیاب نہیں رہا۔

"جستجو کیا ہے؟" میں انتظار حسین کو یہ ادراک ہے کہ وہ آپ بیتی لکھ رہا ہے۔ اس لیے اوروں کے تذکرے میں اپنا ذکر بھی شامل کر لیتا ہے۔ لیکن کیونکہ خود نمائی، خوستائی پسند نہیں کرتا اس لیے کوشش کے باوجود خود کا ذکر چھوڑ کر قریبیوں اور ارد گرد کے ماحول کا تذکرہ شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے "جستجو کیا ہے؟" آپ بیتی اور جگ بیتی کا امتزاج لیے ہوئے ہے۔

"چراغوں کا دھواں" میں انتظار حسین نے اپنی ۵۰ سالہ یادوں کو لکھنے کے بعد اکیسواں باب "بوئے آوارہ" کے نام سے لکھا۔ جس میں اس نے فقط ۹ صفحات پر مشتمل اپنے خاندان اور والد اور ایّا اماں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بیوی عالیہ کے ساتھ اور اکیلے کیے جانے والے ہندوستان کے مختلف سفروں کا بھی مختصر حال بیان کیا۔ یوں انتظار حسین کے دل میں اپنے بچپن کا مکمل حال اور ہندوستان کے اس وقت کے اور "چراغوں کا دھواں" لکھنے کے بعد ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے کیے سفروں کا احوال دینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ "بوئے آوارہ" میں کیا گیا مختصر ذکر تفصیل کا طالب تھا۔ اس لیے انتظار حسین نے یہ تمام تذکرہ تفصیل کے ساتھ اپنی آپ بیتی "جستجو کیا ہے؟" میں بیان کر دیا۔

علاوہ ازیں انتظار حسین نے "چراغوں کا دھواں" کے آخر میں یہ الفاظ لکھے کہ اب یادیں دور بھاگ رہی ہیں اور کوشش کے باجود ہاتھ نہیں آتیں۔ اس لیے جو کچھ اس وقت یاد نہ آیا، جو واقعہ اور جو بات تشنہ رہ گئی، اسے انتظار حسین نے اپنی آپ بیتی "جستجو کیا ہے؟" میں بیان کر دیا:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"مگر یادیں اسی ہنگام جتنی قلمبند ہو سکیں، ہو گئیں۔ اب تو سب کچھ حافظہ کے عقب میں جو ایک مال گودام ہے، اس میں چلا گیا اور سفر کے قیمتی لمحات خوابوں میں ایسے رل مل چکے ہیں کہ خوابوں ہی کا حصہ بن گئے ہیں۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۳۰۷)

اس طرح انتظار حسین نے اپنی آپ بیتی کے پہلے باب کا نام "کتنے خوابوں کے بعد" رکھا تا کہ جو چیزیں اور جو سفر کے قیمتی لمحات خوابوں میں رل مل گئے تھے اب انہیں بیان کیا جائے۔ "جستجو کیا ہے؟" میں انتظار حسین "چراغوں کا دھواں" کی تشنہ رہ جانے والی یادوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اے لو، یہ تو پھر چراغوں سے دھواں اٹھنے لگا۔ میں تو سمجھا تھا کہ یہ آزار گیا۔ یادیں نبڑ گئیں۔ فراغت پائی۔ مگر کہاں فراغت پائی۔ وہ تو پھر امنڈنے لگی ہیں۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۲۶۹)

"چراغوں کا دھواں" کے بارے میں ڈاکٹر آصف فرخی لکھتے ہیں:

"چراغوں کا دھواں باقاعدہ آپ بیتی نہیں ہے بلکہ پاکستان آنے کے بعد خصوصاً لاہور شہر کی بدلتی ہوئی ادبی فضا کا رنگ بدلتا ہوا مرقع ہے جس کی دلچسپی کسی ناول سے کم نہیں۔"[۱]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا "چراغوں کا دھواں" اور "جستجو کیا ہے؟" دو الگ یادداشتیں ہیں؟ یا "جستجو کیا ہے؟' یعنی اپنی مکمل سوانح عمری بیان کرنے سے پچاس سالہ یادوں کی کتاب "چراغوں کا دھواں" کی اہمیت ختم ہو گئی؟ اس سوال کا جواب انتظار حسین کی آپ بیتی میں ہی موجود ہے یہ اقتباس دیکھیں:

"عسکری صاحب کا اس شہر میں ورود ہوا۔۔۔ میزان سے رابطہ کیسے ہوا، اس کی کہانی میں "چراغوں کا دھواں" میں سنا چکا ہوں۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۷۶)

اس بیان سے ایک تو یہ ظاہر ہوا ہے کہ جو واقعات "چراغوں کا دھواں" میں بیان کیے جا چکے تھے۔ انہیں انتظار حسین نے اپنی آپ بیتی میں مختصر بیان کیا یا نہیں دھرایا۔ علاوہ ازیں "چراغوں کا دھواں" میں تشنہ رہ جانے والی چیزوں کو "جستجو کیا ہے؟" میں بیان کیا۔ درج بالا بیان دراصل "چراغوں کا دھواں" کی اہمیت اپنی جگہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

برقرار رکھنے کی کوشش ہے۔ اگر انتظار حسین سارے واقعات دوبارہ اپنی آپ بیتی میں بیان کر دیتا تو "چراغوں کا دھواں" کی اہمیت ختم ہو جاتی۔

> "چراغوں کا دھواں' میں بنیادی حوالہ یادوں کا ہے، شخصی حوالہ۔ یہ نہ تو تاریخ کے صفحے کھنگالتی ہے اور نہ پرانے زمانوں کی روایتیں دہراتی ہے، حالاں کہ لاہور میں اس تلاش کی گنجائش کم نہیں۔ اس کا احاطہ مصنف کی اپنی شخصی یادوں کا احاطہ ہے، وہ یادیں جن میں ایک پورا شہر آباد نظر آتا ہے۔ 'چراغوں کا دھواں' باقاعدہ خود نوشت یا آپ بیتی نہیں ہے۔ مصنف نے اپنے آپ کو کہانی کا مرکز نہیں بننے دیا۔ بلکہ اسے اپنے ذاتی حال احوال بیان کرنے کے compulsion سے آزادی مل جاتی ہے اور اپنے بجائے وہ شہر کی ادبی ثقافتی فضا کو مرکزِ بیان بنائے رکھتا ہے۔" ۲

جبکہ "جستجو کیا ہے؟" میں تاریخ کے صفحے بھی کھنگالے گئے ہیں اور پرانے زمانوں کی روایتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس میں بچپن بھی ہے۔ لاہور کی مجلسی زندگی بھی ہے اور بڑھاپہ بھی ہے۔

"چراغوں کا دھواں" میں انتظار حسین کی جو شبیہ بنی۔ اس کا پس منظر اور پیش منظر "جستجو کیا ہے؟" میں نمایاں ہوا۔ دونوں کتابوں میں کچھ واقعات تفصیل سے اور بعض مختصر ذکر کے ساتھ دہرائے بھی گئے۔ کیونکہ سوانحی عمری میں وہ پچاس برس بھی تو شامل تھے جن کی یادیں "چراغوں کا دھواں" میں جمع کی گئی تھیں۔ انتظار حسین نے آپ بیتی میں زیادہ ذکر بچپن اور آزادیٔ ہند سے پہلے کے واقعات کا کیا۔ پھر ۲۰۰۷ء میں پریم چند فیلوشپ کے تحت ہندوستان کے مختلف شہروں کے سفروں کا ذکر کیا جبکہ ان پچاس برس کی یادوں کا تذکرہ مختصر دہرایا یا چند واقعات ہی بیان کیے جنہیں "چراغوں کا دھواں" میں لکھا جا چکا ہے۔ مثلاً بٹوارے کے بعد سپیشل ٹرین کے سفر کا حال، ڈراؤنی رات کا نقشہ "چراغوں کا دھواں" میں تفصیل سے کھینچا۔ لیکن "جستجو کیا ہے؟" میں صرف تین سطروں میں اس کا صرف ذکر کر کے آگے بڑھ گئے۔ پاکستان آمد کے وقت بستر کا سپیشل ٹرین میں رہ جانا۔ عسکری صاحب کے ساتھ لنڈا بازار جانا۔ ریوتی سرن شرما کا ہندوستان سے اچانک پاکستان آنا۔ کرشن چندر کی بہن سرلا دیوی سے ریوتی سرن شرما کی شادی کا واقعہ۔ چراغ حسن حسرت، ناصر کاظمی، ریاض بٹالوی کے مشترکہ واقعات اور ایسے کئی واقعات کو انتظار حسین نے اپنی دونوں کتابوں "چراغوں کا دھواں" اور "جستجو کیا ہے؟" میں صرف اندازِ بیاں کے فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

رت جگوں کے دور میں ناصر کاظمی کے ساتھ ساتھ انتظار حسین کا ایک اور ساتھی بھی تو تھا۔ لئیق تانگہ والا۔ "چراغوں کا دھواں" میں لئیق تانگے والے کا ذکر تفصیل سے کیا۔ پھر جب آپ بیتی میں اس کا تذکرہ آیا تو اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

"یہ لئیق تانگہ والا تھا۔ میں اس کا ذکر اب سے پہلے کر چکا ہوں۔ میرے قارئین کے لیے بہر حال وہ اجنبی نہیں ہے۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۱۱۵)

یہاں انتظار حسین "چراغوں کا دھواں" کی اہمیت بر قرار رکھتے ہوئے اشارے میں اس کتا کو کریدنے کا شوق بھی پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت تو بہر حال جستجو ہی ہے۔

داستانوں سے دلچسپی کی وجہ سے انتظار حسین بھوتوں، پریتوں، چڑیلوں کی کہانیاں دلچسپی سے سنتے اور سناتے ہیں۔ دوسرے آپ بیتی نگاروں کی طرح ان واقعات کو انتظار نے خود سے منسوب کر کے دیومالائی اور غیر فطری دنیا پیدا کرنے کی بجائے۔ دوسروں کی زبانی اس کا ذکر کیا۔ "چراغوں کا دھواں" میں لئیق نامی تانگہ ڈرائیور کی زبانی بھوت اور چڑیل کی کہانی سنائی۔ جبکہ "جستجو کیا ہے؟" میں ایّا اماں اور گاؤں کے بچوں کی زبانی بھوتوں، پریتوں، چامنڈا کے مندر سے منسوب داستانیں اور سانپوں کی کہانیاں سنائیں:

"وہ دھم سے نیچے کودا اور ساتھ ہی کھانے کی دیگ۔ کہا لو کھاؤ۔۔۔ اس نے سلامالیکم میں جادو لپیٹ کے بھیجا تھا۔۔۔ اچانک میری نظر اس کے پیروں پہ پڑ گئی۔ میں چونکا، ابے لئیق، مارے گئے، یہ تو پچھل پیری ہے۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۱۶۴)

ایّا اماں کی سنو:

"اے میا، میں اپنی گلی مڑنے لگی تھی کہ کسی نے مجھے پکارا۔ میں اس کی خنخناتی آواز سے سمجھ گئی کہ یہ کمبخت کوئی بھتنا ہے۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۵۰)

جیسے "جستجو کیا ہے؟" میں پرندوں اور درختوں کا ذکر بار ہا ملتا ہے۔ اسی طرح "چراغوں کا دھواں" میں بھی پھل دار، پھول دار درختوں اور بالخصوص پرندوں کو بہت یاد کیا گیا۔ اگر کسی مقام پر پرندہ دیکھ لیا تو اس کے ذکر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سے نہیں چُوکے۔ یہ انتظار حسین کی فطرت سے والہانہ محبت کا ثبوت ہے۔ حسین لطیفی صاحب کا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چڑیوں پر جو ان کے جانے کا اثر ہوا وہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ صبح کو گزرتے ہوئے میں اس گھر پر ضرور ڈالتا تھا۔ چڑیوں کی چہک مہک غائب ہو چکی تھی۔ کچھ دنوں تک تو یہ لگا جیسے چڑیاں چہکنا ہی بھول گئی ہیں۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۱۲۳)

بیگم حجاب امتیاز علی کے ضمن میں لکھا کہ:

"حجاب امتیاز علی سے میرا تعارف کوئل کے واسطے سے ہوا۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۲۷۶)

انتظار حسین چونکہ ماضی کو پسند کرتا ہے اور بدلتی چیزیں اس پر اچھا تاثر نہیں ڈالتیں۔ اس لیے پرانے ناموں کے بدل جانے کے باوجود اسے نہیں اپناتے۔ ناصر کاظمی کی شادی ساہیوال میں ہوئی۔ اس کا پرانا نام "منٹگمری" تھا۔ تو انتظار حسین نے اس کا پرانا "منٹگمری" ہی استعمال کیا ہے۔

"برات منٹگمری جانے کے لیے کھڑی تھی۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۱۰۲)

اسی طرح کلکتہ کا نام تبدیل کر کے "کولکتہ" اور بنارس کا سرکاری نام "ورنارسی" رکھ دیا گیا ہے۔ مگر انتظار حسین آپ بیتی میں شہروں کا پرانا نام ہی استعمال کرتا ہے۔ انتظار حسین لاہور کے جس علاقے "کرشن نگر" میں محمد حسن عسکری کے ہمراہ ٹھہرے، اس کا نام بھی ہندوؤں کے وہاں سے جانے کے بعد مسلمان نے تبدیل کرنے کی کوشش کی لیکن:

"نیا نام تھا اسلام پورہ۔ مگر جس آسانی سے ہم اپنے نام بدل لیتے ہیں گلی کوچے اتنی آسانی سے اپنے نئے نام کو قبول نہیں کرتے۔ سو اب بھی اس کوچے کو خلقت کرشن نگر ہی کہتی ہے۔ اور اس کی گلیوں کے نام بھی وہی پرانے چلے آرہے ہیں۔ ارجن سٹریٹ، بدھشٹر سٹریٹ، بھیم روڈ۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۹۰)

پرانے نام لیتے ہوئے انتظار حسین سکون محسوس کرتا ہے اور اسے یوں لگتا ہے کہ وہ جیسے اپنے پرانے وقت میں سانس لے رہا ہو۔ فیصل آباد کا پرانا نام لائلپور تھا۔ بھارت میں ایک سٹیشن ماسٹر سے ملاقات کا قصہ سناتے ہوئے لکھا کہ اس نے بتایا:

"ہمارا خاندان لائلپور میں رہتا تھا۔ بٹوارہ ہوا تو ماتا پتا یہاں آ گئے۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۳۱۵)

جس طرح انتظار حسین نے "جستجو کیا ہے؟" میں کچھ واقعات کا ذکر مکرر کیا۔ اسی طرح "چراغوں کا دھواں" میں بھی چند واقعات کا تکرار ملتا ہے۔

شیر محمد اختر اور رضی اختر کے دوکان چلانے کا واقعہ مکرر بیان کیا۔ پہلی دفعہ ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق حفیظ ہوشیار پوری کا ایک مزاحیہ شعر درج کیا۔ ذکرِ مکرر میں ان کے متعلق پوری نظم ہی لکھ ڈالی۔

"شیر محمد اختر نے ان دونوں بیڈن روڈ پر ایک دوست کے ساتھ مل کر کتابوں کی دوکان کھولی۔۔۔ دوکان کا نام رکھا گیا، اختر اور اختر"

(چراغوں کا دھواں، ص ۴۴، ۴۵)

اس کے ۶۳ صفحات کے بعد ہی اپنی بات کو دہراتے ہیں اور اعتراف بھی کر جاتے ہیں:

"میں نے کہیں پیچھے ذکر کیا ہے کہ شیر محمد اختر اور رضی اختر نے مل کر دوکان کھولی تھی۔ دوکان کا نام رکھا، اختر اور اختر۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۱۰۷)

ناصر کاظمی اور اپنے خدمتگار جالندھر کے تانگہ ڈرائیور کا ذکر بھی "چراغوں کا دھواں" کے صفحہ ۱۳۶ اور دوبارہ صفحہ ۱۶۲ پر کیا۔

قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی "شہاب نامہ" اور جوش ملیح آبادی کی آپ بیتی "یادوں کی برات" میں افسانوی اور رومانوی فضا غالب ہے۔ دونوں نے خود ستائش اور خود نمائی کو اولین مقصد جانا۔ اس لیے ان کی آپ بیتی میں خود کا ذکر نمایاں نظر آتا ہے جبکہ اختر حسین رائے پوری کی "گردِ راہ" اور انتظار حسین کی "جستجو کیا ہے؟" میں خود ستائی، خود نمائی اور خود بیتی کی بجائے جگ بیتی نظر آتی ہے۔ انتظار حسین خود کا ذکر آٹے میں نمک کے برابر کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"یوں بھی ہم زندگی میں کتنی قمچیاں کھاتے ہیں۔ مگر ہر زخم، ہر کھٹر وبچ دکھانے کے لیے تو نہیں ہوتی۔ زندگی کے بیان میں نجی زندگی کا بیان آٹے میں نمک کی نسبت سے ہونا چاہیے۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۲۹۲)

مغربی آپ بیتی میں روسو کے اعترافات نے پاپ بیتی اور گناہوں کے اعتراف کی طرف آپ بیتی نگاروں کا رخ موڑ دیا۔ ہر انسان اسی تگ ودو میں لگ گیا کہ آپ بیتی میں سچ کا عنصر اس وقت پیدا ہو گا جب رازوں کو راز نہ رہنے دیا جائے گا اور جب اپنی زندگی کے منفی پہلوؤں کو سب کے سامنے کھول کر بیان کیا جائے گا جبکہ انتظار حسین اسے ایک نامناسب کام سمجھتے ہیں۔ اپنے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور دوسروں کے اندر برائیوں کی موجودگی تلاش کرنا، ہر ایک کی ٹوہ میں لگا رہنا تو فرائیڈ اور ژونگ جیسوں کا کام ہے۔

"تاکنے جھانکنے کا کاروبار فرائیڈ اور یونگ کے چیلوں نے سنبھال رکھا ہے۔ کم از کم مجھے ایسا شوق کبھی نہیں رہا۔ یہ ان کا شوق رہا ہے کہ اپنی خود نوشت لکھی جائے تو ارد گرد کے علاوہ اپنے اندر بھی جھانک لیا جائے اور اگر اندھے کنوئیں کی تھاہ تک رسائی ہو جائے تو وہاں سے کوئی کوئی گناہ آلودہ یاد، کوئی نجس تجربہ بر آمد کر کے ہتھیلی پر رکھ کر نمائش کی جائے کہ دیکھو یہ ہوں میں، ایک گنہگار روح۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۵۹۲)

انتظار حسین کا موقف ہے کہ آپ بیتی میں خود کا ذکر اور خاص طور پر گناہوں کا بلا جھجک اعتراف بر صغیر کے لوگوں کی وضعداری اور ماحول کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اول انتظار حسین سے ایسے کوئی گناہ سرزد جن کی نمائش کو سچائی اور حقیقت نگاری کے طور پیش کر کے آپ بیتی کو کامیاب کیا جائے۔ دوم یہ کہ اگر ایسا کچھ ہے بھی تو وہ اعمال نامے میں لکھا جا چکا۔ اب اسے کیا قلمبند کرنا:۔

"کس برتے پر تتاپانی۔ ویسے اگر ایسا کوئی نیک و بدنامۂ اعمال میں لکھا بھی جائے تو ہم کاہے کو اسے قلمبند کرنے لگے ہیں۔ جس تہذیب میں آنکھ کھولی ہے، جس کی آغوش میں پلے بڑھے ہیں وہ کب اس کی اجازت دیتی ہے۔ بھلے ہی پڑھ لیا ہو

فرائیڈ کو۔ عشق پردہ نشیں میں مرتے ہیں پر زباں نہیں کھولتے۔ تہذیب نے
ہونٹوں پر تالا ڈال رکھا ہے۔ قلم کیسے چلے۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۶۹۲)

گو کہ قدرت اللہ شہاب اور جوش ملیح آبادی نے اپنی آپ بیتیوں میں افسانوی اور رومانوی انداز اختیار کیا اور اپنے معاشقے تک لکھ ڈالے مگر جوش ملیح آبادی نے جوش اور انتظار حسین نے ہوش سے کام لیا۔ جوشؔ نے اپنی شخصیت کو مکمل طور پر آشکار کرنے کے چکر میں سب کچھ بیان کر ڈالا۔ وہ جو بیان کرنا ضروری تھا اور وہ جو غیر ضروری تھا جبکہ انتظار حسین نے صرف ضروری واقعات کو لیا اور غیر ضروری کو چھوڑ دیا۔ انتظار حسین کے مطابق اس نے "جستجو کیا ہے؟" میں جن واقعات کو لکھا وہ موتی اور جن کا بیان نہیں کیا وہ پتھر، کنکر جان کر ایک طرف چھانٹ لیا ہے۔

"حافظہ خود بھی تو انتخاب پسند ہوتا ہے۔ کتنی فالتو باتوں کی تو وہ خود ہی چھانٹی کر دیتا
ہے۔ سو جو یاد رہ گیا اور قلمبند ہوا وہ موتی۔ جو بسر گیا اور قلمبند نہ ہو پایا وہ کنکر۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۶۹۲)

اسی طرح اگر اختر حسین رائے پوری اور انتظار حسین کا تقابل کیا جائے تو دونوں ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ چونکہ اسلوب داخلی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور ارد گرد کے ماحول کا اسلوب پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اختر حسین رائے پوری ترقی پسند اور انتظار حسین رجعت پسند (حلقہ اربابِ ذوق) ہیں۔ اس لیے دونوں کی تحریروں میں واضح ترقی پسندانہ رویہ اور اس کا مخالف رویہ واضح دیکھا جا سکتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے اپنی آپ بیتی میں "بملا کماری کی بے چین روح" سے ایسی خلاف قیاس حرکات کروائیں اور ان واقعات کا تعلق خود سے بتا کر ایک افسانوی اور داستانوی فضا قائم کی۔ یہ تحیر کی فراوانی لیے ہوئے اور بناوٹی معلوم ہوتی ہے۔ داستانوں کو انتظار حسین نے بھی برتا۔ لیکن انتظار نے ان بھوتوں پریتوں، پریوں اور چڑیلوں کے واقعات کے راوی دوسروں (یعنی بچوں، ایّا اماں اور تانگہ ڈرائیور) کو بنا کر اپنی بات کا کہیں بہتر جواز ڈھونڈ نکالا ہے اور اس سے بات میں وزن پیدا ہوا ہے۔

"اے میا، میں اپنی گلی میں مڑنے لگی تھی کہ کسی نے مجھے پکارا میں اس کی خنخناتی
آواز سے سمجھ گئی کہ یہ کمبخت کوئی بھتنا ہے۔ کئی مرتبہ مجھے پکارا۔ نہ مڑ کے دیکھا نہ

جواب دیا۔ بس چپکے آیت الکرسی پڑھ پڑھ کے دائیں بائیں پھونکتی رہی۔ بس
آیت الکرستی ختم ہوئی اور وہ غائب۔"

(جستجو کیا ہے؟، ص ۵۰)

واقعات کے بیان میں اور جملوں میں الفاظ کا تکرار بھی ہے۔ ہلکا پھلکا مزاح بھی ہے اور طنز بھی لیکن پھکڑ پن کہیں نہیں۔ تکرار اور عام باتوں کے بیان کے باوجود دلچسپی برقرار رہنا انتظار حسین کے اعلیٰ اسلوب کی حلاوت کا ہی کمال ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں کہ انتظار حسین اپنی بات دوسروں سے بہتر انداز میں پہچاننے کا فن جانتا ہے۔ یعنی اس کا اسلوب ہی دراصل اس کا کمال ہے۔

"انتظار حسین کو اپنے بعض ہم عصر افسانہ نگاروں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ
کہنے کا ڈھنگ جانتا ہے۔"[۳]

انتظار حسین نے اپنی آپ بیتی میں مختلف لوگوں کے بیانات کی تردید اور تصحیح کی۔ اسی طرح "چراغوں کا دھواں" میں بھی بہت سے ادیبوں کی کتابوں میں درج بیانات پر تصحیح اور تنقید ملتی ہے۔ عظیم اللہ خاں کے متعلق اختر حسین رائے پوری کا اپنی آپ بیتی "گردِ راہ" میں دیا گیا بیان نقل کیا اور اس کی تصحیح بھی کی۔

"اختر حسین رائے پوری۔۔۔ نے اپنی خود نوشت میں کھٹمنڈوں کی یادوں کے ذیل
میں لکھا ہے کہ عظیم اللہ خاں نے اس شہر میں پناہ لی تھی۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۲۵۷)

اسی طرح قدرت اللہ شہاب کی خود نوشت سوانح "شہاب نامہ" کے متعلق طنزیہ بیان دیتے ہوئے لکھا:

"گاجر کے حلوے کی اور قدرت اللہ شہاب کے ناول کے باب کی۔ وہاں تو انہوں
نے اس قصے کو ناول کے باب کے طور پر ہی پیش کیا تھا۔ شہاب نامہ، کی اشاعت پر
پتہ چلا کہ وہ ان کی آپ بیتی کا ایک ورق تھا۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۲۷۴)

اسی طرح اور بھی کئی لوگوں پر طنز ملتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے متعلق مزاحیہ واقعہ سناتے ہوئے، در پردہ طنز کیا:

"ان کا خاص طریقہ واردات تھا۔ اپنی بات کہہ کر آلہ سماعت سے اپنے کانوں کو آزاد کر لیتے تھے۔ پھر آپ مار پیچھے پکار کرتے رہیں، ان کے کانوں پر ذرا جو جوں رینگ جائے۔ کانوں تک بات پہنچتی، تب ہی تو جوں رینگنے کی توقع کی جاتی۔"

(چراغوں کا دھواں، ص۲۶۷)

"چراغوں کا دھواں" کا اسلوب "جستجو کیا ہے؟" کی نسبت سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ "چراغوں کا دھواں" میں واقعات ایک تسلسل کے ساتھ اور ایک مخصوص دائرے میں چلتے ہیں جبکہ آپ بیتی میں واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں آپسی ربط اور تسلسل نہیں ہے۔ "چراغوں کا دھواں" میں دہلوی روزمرہ زبان استعمال کی گئی ہے جبکہ اس کی نسبت "جستجو کیا ہے؟" لکھنؤیت کے زیادہ قریب ہے یعنی تھوڑی مشکل، شاعرانہ اور ٹھیٹھ ادیبانہ زبان استعمال ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ صرف بارہ (۱۲) سال کے مختصرہ عرصہ میں انتظار حسین کے اندازِ بیاں میں اتنی تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ زبان و بیان کے علاوہ اسلوب میں تقریباً ایک جیسی تکنیکیں استعمال ہوئیں ہیں۔ عموماً جملے چھوٹے چھوٹے اور کہیں کہیں دو سطروں پر مشتمل بھی ہیں:

"اور بزرگ تھے۔ خواجہ صاحب۔ خواتین میں ناصر کی بھابھی۔ یہ تھی برات۔۔۔
براتی کل آٹھ نگ۔ ادھر گجرے وافر۔ رات گزر رہی تھی۔"

(چراغوں کا دھواں، ص۱۰۳)

عام لوگوں کی زبان اسی طرح استعمال کی۔ لئیق تانگہ والے کی زبان ملاحظہ فرمائیں:

"لئیق رکا۔ پھر بولا 'بس جی مجھے عقل آگئی۔ سلامالیکم لے لیتا تو میں چیخ جاتا۔۔۔
صاحب جی رات کو عورت کی سواری نہیں لیتا۔"

(چراغوں کا دھواں، ص۱۶۴)

انتظار حسین نے دونوں کتابوں میں ڈائری کی مدد بھی لی۔ "جستجو کیا ہے؟" میں ۳۱/ فروری ۲۰۰۷ء سے ۰۲/ فروری ۲۰۰۷ء تک کی اپنی ڈائری درج کی اور "چراغوں کا دھواں" میں ناصر کاظمی کی ڈائری سے واقعات کو یاد کرنے میں مدد لی۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈائری درج کر کے اس میں درج مختصر واقعات کی تفصیل بیان کی۔

" ناصر کاظمی کی ڈائری سے ایک ورق
۲۲ / مئی ۵۳ء پاک ٹی ہاؤس میں "بزمِ خیال" کی بنیاد رکھی گئی۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

یکم / جون "تحریک خیال" کی تجویز پر غور۔
۲ / جون "تحریک خیال" کی بنیادی کمیٹی کا اجلاس۔۔۔
۱۱ / جون۔۔۔۔"

(چراغوں کا دھواں، ص ۱۱۲)

اس طرح اشخاص اور واقعات کے ذکر میں اشعار کا بھی استعمال کیا۔ شعراء بالخصوص ناصر کاظمی کی شعری مثالیں بھی درج کیں۔ علاوہ ازیں اس میں واقعہ نگاری، منظر نگاری اور حلیہ نگاری بھی ملتی ہے۔ "چراغوں کا دھواں" صفحہ ۸۶ پر مولانا حسرت موہانی اور ان کے چپڑاسی کا حلیہ بیان کیا۔ غیر مانوس الفاظ کا استعمال یہاں بھی ملتا ہے۔ لیکن اپ بیتی میں ایسے الفاظ اور علاقائی نسوانی بولیوں کا استعمال زیادہ کیا۔ "چراغوں کا دھواں" میں مختلف اشخاص کے خطوط بھی شامل کیے۔ ان میں روشن آراء بیگم، حیات احمد خان، احتشام حسین، سبطِ حسن اور عظیم قریشی کا ایک ایک خط اور حجاب امتیاز علی کے دو خطوط درج کیے۔ اس کتاب میں "جستجو کیا ہے؟" کی نسبت زیادہ لوگوں کے خاکے پیش کیے گئے ہیں جبکہ فارسی اشعار اور محاوروں، ردیف قافیہ، فلیش بیک کا استعمال آپ بیتی کی نسبت "چراغوں کا دھواں" میں نہ ہونے کے برابر ہے اور تو اور اس کے ابواب کے نام بھی شاعرانہ اور مقفع مسجع نہیں بلکہ سادہ نثری ہیں۔ آخر میں اپنی بات کا اختتام آصف فرخی کے اس بیان سے کروں گا۔ "چراغوں کا دھواں" کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اس کتاب میں ایک ایسی شگفتگی ہے جو انتظار حسین کی دوسری بہت سی تحریروں میں مفقود ہے۔ اسلوب میں کہیں جذباتیت سامنے آتی ہے اور نہ رقت۔ کہانی اپنی نہج پر ایک خاص رفتار و آہنگ کے ساتھ چلتی چلی جارہی ہے۔۔۔ اس کتاب کی اہمیت اس کے طرزِ بیان کی وجہ ہے، اسلوب کی روانی اور شگفتگی نے اس کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔" [۴]

مختصر یہ کہ انتظار حسین کی یادداشتوں میں بچپن کے حالات و واقعات، تعلیم و تربیت، خاص تہذیب اور ہندو مسلم تہواروں کا بیان، سکول و کالج کی زندگی، تقسیم ہند، ہجرت کا تجربہ، دوستوں کی محافل، حلقہ اربابِ ذوق، انجمن ترقی پسند مصنفین کے قصے، کافی ہاؤس، ٹی ہاؤس، میٹرو اور دوسری بیٹھکیں۔ اخبار کے دن، دور دراز مغربی ممالک اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے سفر، ان کی تفاصیل، مختصر رپورتاژیں، حالاتِ حاضرہ، دہشت گردی اور

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

پاکستان کی مشکل کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب فقط ایک آپ بیتی نہیں بلکہ ایک عہد کی داستان ہے جو تاریخ اور ادب کے قاری اور طالب علم کے لیے علم ک بیش قیمتی خزانہ اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ انتظار حسین کی زندگی سے زیادہ ارد گرد کے لوگوں، سیاسی اور تاریخی واقعات کو بے نقاب کرتی ہے۔ "گھاٹ گھاٹ اور اس کے بعد" کے الفاظ اس بات کے گواہ ہیں کہ انتظار حسین نے قاری کو ہندوستان کا ہر ہر گھاٹ دکھایا ہے۔ یوں وہ اسے ماضی اور حال کے احوال اور وہاں کی تہذیب سے بھی سیر اب کرتے گئے ہیں۔ ۵

حوالہ جات

۱۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، "انتظار حسین: شخصیت اور فن"، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص۱۴۳

۲۔ ایضاً، ص۱۵۱

۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۴۱۵

۴۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، "انتظار حسین: شخصیت اور فن"، ص۱۵۳

۵۔ احمد عقیل روبی، ایک بڑے کہانی کار کی کہانی، اسلام آباد: مشمولہ: کتاب رسالہ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، فروری ۲۰۱۳ء تا اپریل ۲۰۱۳ء، ص۲۱